جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

مولانا عبدالسلام ندویؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ

عظیم شخصیات

آسمان سے نہیں اترتیں

بلکہ

زمین پر پیدا ہوتی ہیں،

زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛

اور یہ کہ

ہر بچہ

اگر 'چاہے'

تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

اوراق میں ہیں گوہر و معنی کے خزینے
الفاظ میں وہ حسنِ بیاں چھوڑ گیا ہے

"لطافت طبع، رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور درختوں کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، اشعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہیں لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے۔ بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، ایک لطیف الطبع، رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے، لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے۔ اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں، لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے۔ کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے، جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا، لیکن صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کی آیات، رسول اللہؐ کے اخلاق و عادات، آپؐ کے مواعظ و نصائح، شکل و شباہت، دعاۃ اسلام کی تعلیم، ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔[1]"

(عبدالسلام ندوی)

عبدالسلام ندوی

پیدائش اور تعلیمی سفر: مولانا عبدالسلام ندوی 16 فروری 1883 کو ضلع اعظم گڑھ کے ایک دیہات علاء الدین پٹی میں پیدا ہوئے۔ قریب میں کسی قابل ذکر مکتب کی عدم موجودگی کے چلتے ان کے والد صاحب نے گھر پر ہی ایک فارسی خواں معلم کا نظم کیا جو عبدالسلام اور ان کے صدقے میں آس پڑوس کے دیگر بچوں کو پڑھانے آجایا کرتے تھے۔ کمسنی میں ہی ان کی شادی کر دی گئی مگر کمسنی کی یہ شادی بجائے ان کے تعلیمی سفر میں رکاوٹ بننے کے ایک مہمیز ثابت ہوئی۔ ان کے خسر ایک نامور عالم دین تھے لہٰذا مولانا عبدالسلام نے سسرال میں ہی رہ کر دو سال تک اپنے خسر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فارسی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد عربی تعلیم کے حصول کے لیے وہ اپنے بہنوئی کے پاس کانپور چلے گئے جہاں انھوں نے مشن کالج کانپور کے مدرس مولوی بخش لہراوی سے عربی کی ابتدائی تا اعلیٰ کتب سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اساتذہ و فارغ التحصیل طلبہ سے کسب فیض کیا۔

جب ان کے بہنوئی کانپور سے آگرہ منتقل ہوئے تو عبدالسلام بھی آگرہ چلے آئے اور مختلف اساتذہ کے گھر جا کر استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کے بہنوئی تو علی گڑھ چلے گئے مگر مولانا عبدالسلام وطن واپس آگئے۔ وطن واپسی کے بعد بھی کسی اچھے مدرسے کی ٹوہ میں رہے چنانچہ ضلع غازی پور میں رہنا شروع کیا اور شبلی فقیہہ اور مولوی لعل محمد جیسے اساتذہ سے درس لیتے رہے۔ مولانا عبدالسلام (جو اب اچھے خاصے 23 برس کے نوجوان تھے) کے تعلیمی کریئر کی سب سے نرالی بات یہ تھی کہ اب تک انھوں نے باقاعدہ کسی مدرسے میں داخل ہو کر کوئی سند حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن غازی پور کے قیام کے بعد 1906 میں وہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پانچویں درجے میں داخل ہوئے اور 1909 میں سند فراغت حاصل کی۔

مولانا عبدالسلام ندوی علم کے جویا تھے، ہمہ وقت کتابوں میں غرق، کبھی مقالے لکھنے میں مصروف الغرض زمانۂ طالب علمی ہی سے **فنا فی العلم** ہوکر رہ گئے تھے۔ مولانا عبدالسلام، عام طلبہ کی غیر سنجیدہ سرگرمیوں سے خود کو متشدد طور پر علاحدہ رکھتے تھے اور عموماً تنہا غور وفکر میں ڈوبے ہوئے پائے جاتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کی عقابی نگاہوں نے شروع سے ہی مولانا عبدالسلام کو تاڑ لیا تھا کہ یہ ذرہ ایک نہ ایک دن آفتاب بن کر افق علم پر پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہوگا۔

میدان عمل: ندوۃ العلماء سے فراغت کے چند ہی مہینے بعد مارچ 1910 میں انھیں رسالہ الندوہ کا سب ایڈیٹر مقرر کرلیا گیا، جولائی 1911 تک وہ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھاتے رہے، اس دوران انھوں نے بڑی تندہی سے متنوع موضوعات پر وقیع مقالات ہدیۂ قارئین کیے۔ 1910 میں ہی وہ ندوہ میں عربی ادب کے استاد بھی مقرر ہوئے۔ جب کچھ معاصرانہ چشمک، طبیعتوں کے اختلاف اور دیگر وجوہات کی بنا پر علامہ شبلی ندوۃ العلماء کی معتمدی اور الندوہ کی ادارت سے الگ ہوگئے تو طلبہ نے بطور احتجاج اسٹرائک کردی۔ مولانا عبدالسلام ندوی اس احتجاج اور اسٹرائک کے روح رواں رہے۔ ان کے استاد شبلی نعمانی نے جب سیرۃ النبی لکھنے کا بیڑا اٹھایا تو مولانا عبدالسلام ندوی کو ہی اپنا معاون چنا اور ان سے مواد فراہم کرنے میں مدد لینے لگے۔ 1914 سے لے کر علامہ شبلی کی وفات تک عبدالسلام ندوی مواد کی فراہمی اور چھان پھٹک کا کام عرق ریزی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

1914 میں کچھ ساڑھے پانچ مہینے مولانا عبدالسلام نے مولانا آزاد کے ساتھ **الهلال** میں بھی کام کیا اور اس قلیل مدت میں ہی **الهلال** کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ مولانا کے بیشتر مضامین **الهلال** کی پالیسی کے مطابق بے نام شائع ہوئے۔ نومبر 1914 میں جب بنگال گورنمنٹ نے **الهلال** پر پابندی عائد کردی تو مولانا عبدالسلام ندوی کے کئی مضامین ہنوز اشاعت طلب تھے۔ یہ مضامین بعد میں مولانا آزاد نے **البلاغ** میں بھی بے نام شائع کیے۔ مولانا عبدالسلام ندوی کی کسر نفسی، ایثار، بے غرضی، یا شہرت وناموری سے پرہیز ہی کہیے کہ اس پر انھوں نے احتجاجاً ایک آواز بھی بلند نہیں کی۔

علامہ شبلی کے انتقال کے بعد جب ان کے بتائے گئے نقشہ کے مطابق ان کے شاگردوں نے **دار المصنّفین** کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع کیا تو مولانا عبدالسلام ندوی کو بھی دعوت دی گئی۔

مولانا عبدالسلام 15 دسمبر 1914 کو اعظم گڑھ آکر دارالمصنّفین کے رکن بن گئے اور اخیر عمر تک دارالمصنّفین کے لیے اپنی خدمات وقف رکھیں۔

تصانیف: اپنے استاد علامہ شبلی کی طرح مولانا عبدالسلام ندوی بھی اعلیٰ پائے کے انشا پرداز تھے، وہ خشک سے خشک موضوع کو بھی اپنے قلم سے پر کیف بنا ڈالنے کا ہنر جانتے تھے۔ اپنے قلم جادو ئے نگار سے انھوں نے تاریخ، فلسفہ، ادب، فقہ، عقائد، قرآن، حدیث جیسے مختلف الانواع مضامین میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے تراجم مثلاً انقلاب الامم، فطرت نسوانی، فقرائے اسلام، تاریخ فقہ اسلامی اور ابن خلدون پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ ان کی مطبوعہ تصانیف میں سیرتِ عمر بن عبد العزیز (1919)، اسوہ صحابہ (دو جلدیں) اور اسوہ صحابیات (1922)، ابن یمین، تاریخ الحرمین شریفین، شعر الہند (۲ جلدیں) (1925)، التربیۃ الاستقلالیہ (1926)، القضا فی الاسلام، تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول (1939)، اقبال کامل (1948)، امام رازی (1950) اور حکمائے اسلام (دو جلدیں) (1956) وغیرہ شامل ہیں۔

سیرۃ النبی لکھنے میں بھی مولانا عبدالسلام ندوی نے پہلے اپنے استاذ علامہ شبلی کے ساتھ اور ان کے انتقال کے بعد سید سلیمان ندوی کے ساتھ دیدہ ریزی کی۔

حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مایہ ناز عالم دین وقلم کار کی متعدد کتب ابھی تک شائع نہیں ہوسکی ہیں، جن میں تاریخ التنقید، شعر العرب، تاریخ اخلاق اسلامی حصہ دوم، دلائل الفرقان، اعجاز القرآن اور ایک کارآمد مجموعہ حدیث کی ضرورت شامل ہیں۔

سفر آخرت: مولانا عبدالسلام ندوی نوخیزی کے زمانے میں شاعری سے بھی شغل رکھتے تھے گوکم سخن تھے مگر سخنوروں میں شمار ہوتا تھا۔ زندگی بھر فنافی العلم رہے۔ اپنی ریسرچ اور اسکالرشپ سے نت نئے موضوعات پر کتابوں اور مقالات کا ایک ڈھیر لگا دیا۔ دارالمصنّفین کی بے لوث خدمت انجام دی۔ 1914 سے لے کر آخر تک اس سے منسلک رہے اور یہیں 4-3 اکتوبر 1956 کی درمیانی شب کو جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے آسان اور زود اثر نسخہ انھیں وہ Credit دینے کا ہے جس

کے وہ بجاطور پر مستحق تو تھے لیکن آرزومند نہیں...الہلال والبلاغ میں ان کے بے نام مضامین کا ایک مجموعہ جلد از جلد شائع کیا جانا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کو فوراً سے پیشتر زیور طبع سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ علم پروران سے استفادہ کرسکیں۔